تبصرۂ کتب

اقبال کا تصور خدا

(Iqbal's Concept of God)

مبصر : حسن اختر

گزشتہ چند ماہ سے ایم ۔ ایس رشید کی انگریزی کتاب کا اقبالی حلقوں میں خاصا چرچا رہا ہے ۔ اس کتاب کی آمد سے مخالفین اقبال کی خاصی حوصلہ افزائی ہوئی ۔ خصوصاً وہ طبقہ جو بظاہر اقبال شناس مگر بہ باطن مخالفانہ جذبات رکھتا ہے ، اسے دیکھ کر بغلیں بجانے لگا چنانچہ نجی محفلوں میں اس کا تذکرہ عام ہوا اور ایک صاحب نے تو کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے نہ صرف کتاب کے مندرجات سے اتفاق کیا بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اقبال کے بیان کردہ مطالب قرآنی کو گمراہ کن قرار دے دیا ۔ اس کتاب کے آغاز ہی میں مصنف نے علامہ اقبال کو مذہبی مفکر ماننے سے انکار کیا ہے ۔ بعض احباب نے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا اور کہا کہ علامہ اقبال نے کب مذہبی مفکر ہونے کا دعویٰ کیا ہے ۔ دوسرے الفاظ میں انھوں نے سلطان رشید کے دعوے کو بغیر غور و فکر کے قبول کر لیا اور یہ بھول گئے کہ اسلامی الٰہیات کی جدید تشکیل ایک مذہبی مفکر ہی کر سکتا ہے ، اس کے علاوہ علامہ اقبال کی دوسری تحریریں بھی ان کے ایک مذہبی مفکر ہونے پر دال ہیں ۔ محبانِ اقبال نے اسے ایک احمقانہ کتاب کہا جسے مخالفین نے ایک جذباتی ردِ عمل قرار دیا ۔ یوں ہمیں اس کتاب کے دیکھنے کی شدید خواہش پیدا ہوئی ۔ ۱۲۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب کی قیمت ۱۰.۵۰ ڈالر ہے ۔ لہٰذا اسے خریدنا ہماری استطاعت سے باہر تھا چنانچہ کتاب کو لائبریری سے حاصل کر کے پڑھا اور حیران ہوا کہ اس قدر سطحی کتاب پر اتنا شور کیوں برپا ہے ؟

علامہ اقبال کے افکار سے اختلاف کا حق ہر شخص کو حاصل ہے ، مگر اختلاف علمی ہونا چاہیے ۔ علامہ اقبال پر قلم اٹھانے والے کو ان کی تمام تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہیے ۔ یہ بات اس شخص کے لیے اور بھی ضروری ہو جاتی ہے جو ان کے تصورِ خدا پر قلم اٹھا رہا ہو ۔ ان کے تصورِ خدا کو ان کے تصور خودی کی روشنی میں دیکھنا چاہیے ان کے یہ تصورات ان کے خطبات کے علاوہ ان کی دوسری اردو اور فارسی شعری تصنیفات میں بھی جا بجا ملتے ہیں مگر سلطان رشید نے علامہ کے صرف خطبات کا مطالعہ کیا ہے اور ان کے افکار کے بارے میں انگریزی زبان میں لکھی گئی صرف چھ کتابوں کا مطالعہ کیا ہے ۔ کتاب کے آخر میں دی گئی کتابیات کے مطالعہ سے بعض دلچسپ حقائق سامنے آتے ہیں ۔ انھوں نے یہ کتاب علامہ اقبال کے تصور خدا کے بارے میں تحریر کی ہے لٰہذا ہم توقع کرتے تھے کہ انھوں نے اقبال کی تصانیف اور ان کے بارے میں لکھی گئی کتب سے دوسرے مصنفین کی نسبت زیادہ استفادہ کیا ہوگا مگر حقیقت اس کے برعکس ہے ۔ انھوں نے علامہ اقبال کی صرف ایک کتاب پڑھی جبکہ برگسان کی چھ اور ہیگل کی تین کتابیں ان کے زیر مطالعہ رہیں ۔ اسی طرح انھوں نے اقبال کے بارے میں صرف چھ کتابیں پڑھیں مگر برگساں کے متعلق بارہ کتابوں کو بطور حوالہ استعمال کیا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے لکھا تو اقبال کے بارے میں مگر برگسان اور ہیگل کو زیادہ پڑھا اور اسی لیے اس نتیجہ پر پہنچے کہ علامہ اقبال کے افکار ہیگل اور برگساں سے مستعار ہیں ۔

علامہ اقبال نے ہیگل اور برگساں سے استفادہ ضرور کیا ہے لٰہذا ان کے افکار کہیں کہیں برگساں اور ہیگل سے مماثل نظر آتے ہیں ، مگر بنیادی فلسفہ ان کا اپنا ہے اور اگر اس کے مآخذ کو تلاش کرنا مقصود ہو تو وہ قرآن ، حدیث اور مسلم مفکرین کے ہاں نظر آئیں گے ۔ مصنف کے ادھورے مطالعہ کی یہی بنیادی خرابی ہے کہ وہ فوراً نتائج اخذ کر لیتا ہے اور پھر ان کو منوانے پر اصرار کرتا ہے ۔ سلطان رشید کا مطالعہ ناقص ہے اور وہ مغربی فلاسفہ سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں ۔ چنانچہ اُن ہی کو سند مانتے ہیں ۔ وہ پہلے باب میں اقبال کے تصور خدا کو بیان کرنے کے لیے چار صفحات سے بھی کم مختص کرتے ہیں ، جب کہ ہیگل کے تصورات دوسرے باب میں بیان کرنے کے لیے سولہ سے زیادہ صفحات استعمال کرتے ہیں ۔

اسی طرح وہ برگساں کے تصورات کو آٹھ صفحات میں بیان کرتے ہیں ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اقبال کی بجائے ہیگل اور برگساں کے بارے میں لکھ رہے ہیں ۔ پھر ان کا انداز بیان بھی الجھا ہوا ہے ۔ وہ اقبال ، ہیگل اور برگساں کے نظریات کو الگ الگ بیان کرتے ہیں اور ان میں تطابق پیدا کرنے کی بہت کم کوشش کرتے ہیں البتہ فیصلے صادر کرنے میں خاصے فراخ دل ہیں ۔ وہ علامہ اقبال پر ہیگل کا اثر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''اقبال ہیگل کی منزل پر پہنچنے کے لیے ہیگل سے الگ راستہ اختیار کرتے ہیں ۔''

اس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں کہ اقبال نے Un-Hegelian rout کیوں اختیار کیا مگر جب وہ اقبال کا برگساں سے موازانہ کرتے ہیں تو لکھ دیتے ہیں کہ :

''جب ہم اقبال کے تصور خدا و فطرت پر غور کریں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان پر برگساں کا اثر فیصلہ کن تھا ۔'' (ص ۳۳)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اقبال ان کے خیال میں برگساں کی منزل پانے کی کوشش کر رہے تھے یا ہیگل کی ۔ دراصل علامہ نہ تو برگساں اور نہ ہیگل کی منزل کی تلاش میں تھے ۔ منزل کا پتہ تو انھیں قرآن مجید سے ملا تھا اور وہ بھی رومی کی رہنمائی میں ، جس کا سلطان رشید نے اپنی کتاب میں ذکر نہیں کیا ۔ اگر سلطان رشید مسلمان مفکرین خصوصاً رومی کا مطالعہ کرتے تو انھیں علامہ کی فکر پر ان کے گہرے اثرات ملتے بلکہ ہیگل اور برگساں پر بھی ان سے پہلے کے مسلمان مفکرین کے اثرات ، افکار کی مماثلت کی بنا پر ، دریافت کیے جا سکتے ہیں مگر سلطان رشید تو مغرب کے سحر میں گرفتار ہیں جسے اقبال توڑنا چاہتے تھے ۔

ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ علامہ اقبال قرآن حکیم سے سب سے زیادہ متاثر تھے ۔ انھوں نے اپنے خطبات میں قرآن کو مسلمانوں کا آئین قرار دیا ہے اور اسی کی روشنی میں مسلم معاشرے کی تشکیل جدید پر زور دیا ہے ۔ وہ ہیگل اور برگساں کو نہیں بلکہ قرآن مجید کو اپنے افکار کی بنیاد بناتے ہیں اور اس کے لیے ان کے خطبات اور شاعری میں کئی حوالے موجود ہیں ، جن سے اقبالیات کا ایک عام طالب علم بھی واقف ہے ۔ سلطان رشید

کے دل میں بھی یہ بات کھٹکتی تھی ، لہٰذا انھوں نے علامہ اقبال کے قرآنی مطالب کو ماننے سے انکار کر دیا ۔ ہم آپ سب اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ قرآن مجید کی بے شمار تفاسیر لکھی گئی ہیں اور مفسرین نے بعض آیات کے مطالب بیان کرتے ہوئے ایک دوسرے سے اختلاف کیا ہے ۔ سلمان رشید نے خود قرآن مجید کے مطالب کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی بلکہ دوسروں کی آرا پر انحصار کیا ہے ۔ اس سلسلے میں وہ خود مولانا ابوالکلام آزاد ، محمد علی اور فضل الرحمان سے متاثر ہیں اور انھیں کی آرا کو سند مانتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات علامہ اقبال سے مختلف نظریات رکھتے تھے اور مسلمانوں کی اکثریت ان کے بعض سیاسی اور مذہبی افکار سے متفق نہیں ہے ۔ ان اصحاب کی آرا پر انحصار کرنے کی وجہ سے سلمان رشید کی اقبال سے مخالفت سمجھ میں آ جاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ سلمان رشید خود کس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ سلمان رشید ایڈنبرگ یونیورسٹی کے عربی اور اسلامیات کے شعبہ میں ایک محقق کی حیثیت سے ملازم ہیں مگر وہ قرآن اور اسلام کے مباحث بیان کرتے ہوئے کسی عربی کتاب کا حوالہ نہیں دیتے ۔ احادیث اور قرآن مجید کے عربی متن ان کے زیر نظر نہیں رہے ہیں ۔ معلوم نہیں وہ عربی اور اسلامیات کے شعبہ میں کیا تحقیق کر رہے ہیں ! جب کہ وہ اسلام کے بارے میں انگریزی زبان کے ذریعہ واقفیت حاصل کرتے ہیں ، مگر علامہ اقبال پر اعتراض کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے تصور خدا کو مغربی ذرائع سے حاصل کیا ہے وہ اپنی کتاب کے تعارف میں رقم طراز ہیں :

''اقبال اپنے مغربی ذرائع سے حاصل کردہ ما بعد الطبیعاتی نتائج خصوصاً اپنے محدود تصور خدا کو قرآن اور اسلامی فکر کی روایت سے منسوب کرتے ہیں ، مگر ان کی یہ کوشش بھی ناکام ثابت ہوتی ہے ۔ قرآن مجید کے بارے میں ان کا رویہ خاص طور پر بے حد غیر ذمہ دارانہ ہے اور وہ علم الکلام اور تفسیر کی روایت کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیتے ہیں ۔ اقبال کا محدود خدا قرآن کے مکمل لا محدود اور محیط ُکل خدا سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا ۔ اقبال کا خدا کا شہودی تصور صوفیا کے وجودی تصور کے بہت قریب ہے ۔ یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اقبال اور صوفیا کے بنیادی افکار مختلف ہیں ۔ خدا کے صوفیانہ تصور کا مطالعہ عیسیٰ نور الدین (شوآن) اور ابوبکر سراج الدین (مارٹن لنگز) کی

مدافعانہ تشریحات کی روشنی میں کیا گیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ یہ مسلمہ قرآنی عقیدہ کے خلاف ہے۔ وحدت الوجود کی صوفیانہ تعلیمات کے مطالعہ سے صوفیانہ تجربات اور ان کی بطور نظریہ تشریح کے بارے میں پیچیدہ اور مشکل سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک معاصر مصنف ڈبلیو ٹی سٹیس نے اس مشکل سوال کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ صوفیا روحانی تجربے اور اس کی تشریح میں امتیاز قائم رکھنے میں ناکام رہے لہٰذا انھوں نے غلط نظریات وضع کر لیے۔"

اس اقتباس میں انھوں نے علامہ اقبال پر ایک اعتراض تو وہی کیا ہے جس کا ہم گذشتہ سطور میں ذکر کر چکے ہیں یعنی یہ کہ انھوں نے اپنے تصور خدا کی بنیاد مغربی ذرائع پر رکھی ہے، حالاں کہ علامہ اقبال خود بہت اچھی عربی جانتے تھے اور انھوں نے بی۔ اے میں عربی میں امتیازی پوزیشن حاصل کی تھی چنانچہ اسی بنیاد پر انھیں میکلوڈ پنجاب عربک ریڈر منتخب کیا گیا تھا۔ علامہ اقبال کا قرآن مجید کا مطالعہ براہِ راست تھا اور اسی لیے انھوں نے قرآن مجید کا مطلب بیان کرتے ہوئے عربی زبان پر انحصار کیا ہے اور مفسرین سے بعض مقامات پر اختلاف کیا ہے۔ یہ بات سلطان رشید کو پسند نہیں آئی۔ علامہ اقبال نے تو حسین بن منصور حلاج کے انا الحق کا مطلب بھی صوفیا کے بیان کردہ مطلب سے الگ بیان کیا ہے۔ وہ اسے اثباتِ خودی کی ایک صورت قرار دیتے ہیں اور جب ہم کتاب الطواسین کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں علامہ سے اتفاق کرنا پڑتا ہے۔ سلطان رشید کی سوچ محدود اور علم مستعار ہے۔ اس لیے وہ محمد علی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے بیان کردہ مطالب سے باہر نہیں جاتے۔ وہ تو وحدت الوجود اور وحدت الشہود کو بھی شوآن اور مارٹن لنگز کی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور صوفیا کے روحانی تجربات کو ڈبلیو ٹی سٹیس کو پڑھ کر رد کر دیتے ہیں کیونکہ اس نے ان کو نکتہ چینی کا ہدف بنایا ہے۔ جو شخص بات بات پر مغربی مفکرین کی رائے کو بیان کرتا اور ان کی حق پرستی کا قائل ہو اسے علامہ پر یہ اعتراض کس طرح زیب دیتا ہے کہ وہ مغربی مفکرین سے استفادہ کیوں کرتے ہیں سلطان رشید نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی بحث کرتے ہوئے شوآن اور مارٹن لنگز کو اپنے نظریات کی بنیاد بنایا ہے، حالاں کہ انھیں

ابن عربی اور حضرت مجدد الف ثانی کو براہِ راست پڑھنا چاہیے تھا اور انھیں کے حوالے سے اس بحث کو آگے بڑھانا چاہیے تھا ۔ وہ خود وحدت الوجود کے فلسفیانہ حقایق سے بے خبر ہیں ۔

انھوں نے تعارف میں اپنی بحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ علامہ کا تصور خدا محدود ہے یعنی وہ خدا کو غیر محدود کی بجائے محدود سمجھتے ہیں ۔ علامہ اقبال نے خطبات میں انسان کو محدود finite اور خدا کو غیر محدود یا infinite قرار دیا ہے ۔ جب وہ خدا کو بار بار غیر محدود کہتے ہیں تو پھر خدا ان کی نظر میں محدود کیوں کر ہوا ۔ انھوں نے اپنی شاعری میں بھی جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کے وجود کو تشبیہات سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے وہاں بھی خدا کی لامکانی اور بے کرانی کا ہی ذکر کیا ہے ۔ بال جبریل کا ایک شعر اس وقت یاد آ رہا ہے وہ یہاں درج کرتا ہوں :

تو ہے محیط بے کراں میں ہوں ذرا سی آبجو
یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بے کنار کر

علامہ تو انسانی خودی کو بلند کرکے اس میں بھی بے کرانی کی صفات پیدا کرنا چاہتے ہیں ۔ بھلا وہ خدا کو محدود کس طرح مان سکتے ہیں ، لہذا ان کا یہ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں کہ علامہ اقبال نے محدود خدا کا تصور پیش کیا ہے جو قرآن مجید کے خدا سے مطابقت نہیں رکھتا ۔ دراصل سلطان رشید نے نہ تو قرآن مجید کا غائر مطالعہ کیا ہے اور نہ علامہ اقبال کو غور سے پڑا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے غلط نتائج اخذ کیے ہیں اگر وہ مغرب کے سحر سے آزاد ہوں تو شاید مشرق کی باتیں ان کی سمجھ میں آ سکیں :

علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں

مجلہ "اقبال ریویو"

مدیر : محمد منظور احمد
ناشر : اقبال اکیڈیمی ، مدینہ مینشن ، نارائن گوڑہ ، حیدر آباد دکن ، آندھرا پردیش (بھارت)
قیمت : فی شمارہ ۵ روپے - زرِ سالانہ ۱۶ روپے

اقبال اکیڈیمی حیدر آباد دکن کا زیر نظر سہ ماہی تنقیدی مجلہ ، ہندوستان میں اقبال شناسی ، اور حضرتِ علامہ کے فکرو فن سے اہلِ حیدر آباد کی دلچسپی و دل بستگی کے ضمن میں خاص اہمیت رکھتا ہے -

علامہ اقبال کو حیدر آباد دکن سے خصوصی تعلقِ خاطر تھا -[۱] حیدرآباد دکن میں نواب بہادر یار جنگ ، غلام دستگیر رشید ، مولوی عبدالرزاق راشد اور تصدق حسن تاج نے مطالعہ اقبال کی جو شمع روشن کی تھی ، وہ دکن کے متعدد نامور وابستگانِ علم و ادب (مثلاً ڈاکٹر یوسف حسین خاں ، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی ، ڈاکٹر میر ولی الدین ، اشفاق حسین ، ابو ظفر عبدالواحد ، پروفیسر عزیز احمد ، سید عبدالواحد معینی ، ڈاکٹر غلام عمر خاں اور ڈاکٹر عالم خوندمیری کی علمی کاوشوں کے نتیجے میں روشن سے روشن تر ہوتی گئی ، لیکن مدیر "اقبال ریویو" کے بقول : "اقبال کے مسلسل مطالعہ کے ضروری کام میں پچھلے پچیس برسوں میں کچھ وقفہ سا آ گیا - اقبال فہمی کی راہ میں کچھ مصلحتیں اور مروت آڑے آ گئی ، اور خواہ مخواہ ہی سہی ، لیکن ماحول کچھ ایسا بن گیا کہ اقبال سے وابستگی کو رجعت پسندی اور فرقہ پرستی قرار دے دیا گیا -" ــــ ان ناسازگار حالات کے باوجود اقبال فہمی کی سمت میں اہلِ حیدرآباد

۱- تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے :
(الف) "اقبال اور حیدر آباد" از نظر حیدر آبادی ، کراچی ۱۹۶۱ -
(ب) "اقبال اور بزمِ اقبال" از عبدالرؤف عروج -
(ج) "مفکر پاکستان اور حیدرآباد دکن" از حسام الدین غوری ، کراچی ۱۹۸۱ء -

کا سفر جاری رہا ۔ مجلس تعمیر ملت کے صدر خلیل اللہ حسینی کی مساعی سے اقبال کے فکرو فن سے عام دلچسپی بڑھتی گئی ۔ حتیٰ کہ ۱۹۵۹ء میں اقبال اکیڈیمی کا قیام عمل میں آیا ، جو فروغ اقبالیات کے ضمن میں ایک اہم واقعہ تھا ۔ اکیڈیمی نے اکتوبر ۱۹۷۷ء سے ''اقبال ریویو'' کے نام سے اپنا سہ ماہی مجلہ بھی شائع کرنا شروع کر دیا ۔

اس وقت تک ''اقبال ریویو'' کے نو شمارے شائع ہو چکے ہیں ۔ گوکہ آخری چند شماروں کا طباعتی معیار ، ابتدائی پرچوں سے قدرے فروتر ہے اور اشاعت میں باقاعدگی بھی نہیں رہی ، لیکن اہم بات یہ ہے کہ زیر نظر مجلے کی اشاعت کسی سرکاری امداد کے بغیر ، چند اقبال دوستوں کے ذاتی وسائل اور علامہ اقبال سے عقیدت و محبت کے بل بوتے پر ہو رہی ہے ۔ اجرائے مجلہ کے علاوہ اکیڈیمی کے کتب خانے میں اقبالیات سے متعلقہ کتابوں کا بڑا ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے ۔ اکیڈیمی ، اقبالیات پر متعدد کتابیں بھی شائع کر چکی ہے ۔ اسے فکر اقبال کا ایضان ہی کہنا چاہیے ۔ بہر صورت اقبال اکیڈیمی حیدرآباد دکن کی ان کاوشوں میں شریک تمام اقبال دوست ہدیۂ تبرک کے مستحق ہیں ۔

بنیادی طور پر یہ مجلہ اردو میں شائع ہوتا ہے ، تاہم جولائی تا اکتوبر ۱۹۷۸ء کے شمارہ (ج ۱ ، ش ۴) میں ۲۶ صفحات کا انگریزی حصہ بھی شامل ہے ۔ ''اقبال ریویو'' میں اب تک ایک آدھ تحقیقی مضمون بھی شائع ہوا ہے (''اقبال کی بیاض سے کچھ نیا کلام'' از ڈاکٹر گیان چند ، جنوری ۱۹۸۲ء) مگر بحیثیت مجموعی ، مجلے کا مزاج تنقیدی ہے ، اور کچھ شبہ نہیں کہ زیر نظر نو شماروں میں ہندوستان کے معروف اقبال شناس علما مثلاً ڈاکٹر عالم خوندمیری ، پروفیسر سید سراج الدین ، جگن ناتھ آزاد ، اسلوب احمد انصاری ، ڈاکٹر عبدالحق وغیرہ کے بلند پایہ مقالات شائع ہو چکے ہیں ۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ''اقبال ریویو'' میں شائع ہونے والے تمام مقالات براہ راست تنقید اقبال کے فکری و فنی موضوعات سے متعلق ہیں —— ''اقبال ریویو'' نے اب تک دو خاص اشاعتیں بھی پیش کی ہیں ۔ جنوری ۱۹۷۹ء کا شمارہ بہ عنوان : ''خصوصی اشاعت ، اقبالیات ماجد'' علامہ اقبال کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریا بادی کی تحریروں پر مشتمل تھا ۔ جنوری ۱۹۸۰ء کے شمارے بہ عنوان : ''خصوصی اشاعت ، اقبالیات باقی'' میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے ایک نامور فرزند اور اقبال

کے عقیدت مند سید عبدالقیوم فانی کی تحریریں یک جا کی گئی ہیں ، مجموعی طور پر اس مجلے کی تحریروں میں تفہیم اقبال کا ایک مثبت رویہ کار فرما نظر آتا ہے ، جسے ہندوستان میں مطالعہ اقبال کے عمومی مزاج میں ایک نیک فال کہا جا سکتا ہے ۔

(رفیع الدین ہاشمی)

• • •

مجلہ ''اقبالیات''

مدیر : پروفیسر آل احمد سرور
ناشر : اقبال انسٹی ٹیوٹ ، کشمیر یونیورسٹی ، سری نگر
شمارہ ۱ : ضخامت ۲۳۷ صفحات ۔ قیمت -/۱۲ روپے
شمارہ ۲ : ضخامت ۲۷۸ صفحات ۔ قیمت -/۱۲ روپے

''اقبالیات'' اقبال انسٹی ٹیوٹ کشمیر یونیورسٹی سری نگر کا سالانہ مجلہ ہے ۔ یہ ادارہ مارچ ۱۹۷۹ء میں سرکاری تائید و سرپرستی سے وجود میں آیا تھا ، اس کا بنیادی کام علامہ اقبال کی زندگی اور ان کے فکر و فن کا مطالعہ ہے ، اس وقت تک ادارے کے زیر اہتمام ایم ۔فل کی ڈگری کے لیے متعدد اسکالروں نے ''اقبال کے خطوط کا تنقیدی مطالعہ'' ، ''حالی ، اکبر اور اقبال کی پیامی شاعری ـــــ ایک تقابلی مطالعہ'' ، ''اقبال اور ہیومینزم'' ، ''اردو نظم میں اقبال کا کارنامہ'' ، ''اقبال پر غالب کے فکرو فن کا اثر'' ، ''اقبال اور کشمیر'' اور اقبال کی اردو غزل کا تنقیدی مطالعہ'' جیسے موضوعات پر مقالات تیار کیے ہیں ۔ بعض دوسرے موضوعات پر بھی کام ہو رہا ہے ۔ چار اسکالر پی ایچ ۔ ڈی کے لیے تحقیق میں مصروف ہیں ۔ اس ادارے کے تحت متعدد سیمینار بھی منعقد ہوئے اور متعدد نامور علما نے توسیعی لیکچر دیے ، جنھیں کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے ۔ حیدرآباد دکن کے نامور عالم اور اقبال شناس ڈاکٹر عالم خوند میری وزٹنگ پروفیسر کی حیثیت سے اقبال انسٹی ٹیوٹ میں مقیم رہے ، ان دنوں ڈاکٹر مسعود حسین خاں اسی حیثیت میں ادارے میں کام کر رہے ہیں ۔

زیر نظر مجلہ ''اقبالیات'' کے دونوں شمارے ، زیادہ الهی مقالات پر

مشتمل ہیں ، جو ادارے کے زیر اہتمام منعقدہ سیمیناروں میں پیش کیے گئے ۔ پہلے شمارے کے تمام تر مقالات ، براہِ راست علامہ کی شاعری اور فن سے متعلق ہیں ، جب کہ دوسرے شمارے کا تقریباً نصف حصہ اقبال کے دو نامور معاصر شاعروں حسرت موہانی اور فانی بدایونی کے مطالعے کے لیے وقف کیا گیا ہے ـــــ دونوں شماروں میں ہندوستان کے نامور نقادان ادب اور اقبال شناسوں کے مقالات موجود ہیں ۔ مقالات پر ایک نظر ڈالنے سے دو تین باتوں کا احساس ہوتا ہے ۔ اول یہ کہ ان مقالات کا مزاج تحقیقی سے زیادہ تنقیدی اور تجزیاتی ہے ـــــ دوم یہ کہ ان میں علامہ کے افکار سے زیادہ ان کے فن پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے ، جیسے : ''اقبال کا اسلوبِ بیان'' ، ضرب کلیم کا اسلوب'' ، ''اقبال کا نظریۂ زبان'' ، ''اسلوبیاتِ اقبال'' ، ''اقبال کی شاعری اور پیکر تراشی'' ، وغیرہ ـــــ سوم یہ کہ منظومات کے تجزیاتی اور فنی مطالعے کا رجحان نمایاں ہے ۔ گویا ہندوستان کے ناقدینِ اقبال کا زاویۂ نقد و نظر پاکستان کی اقبالی تنقید سے قدرے مختلف ہے ۔ یہ امر اس لیے کچھ زیادہ تعجب انگیز نہیں رہتا کہ ہندوستان میں علامہ اقبال کی طرف ، مطالعۂ اقبال سے خاصے عرصے تک اغماض برتنے کے بعد ، توجہ منعطف ہوئی ہے ۔

اقبال انسٹی ٹیوٹ اور اس کا زیر نظر مجلہ ''اقبالیات'' ہندوستان میں مطالعۂ اقبال کی پیش رفت میں نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں ۔ سرکاری سرپرستی میں یہ سب کچھ انجام پانا ، ہندوستان میں فروغِ اقبالیات کے لیے ایک خوش آیند علامت ہے ، اور اس ضمن میں پروفیسر آل احمد سرور اپنی پُر جوش اور بھرپور مساعی کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں ۔

(رفیع الدین ہاشمی)